تدوین حدیث اور اصول روایت

علی اصغر چشتی صابری

عہد نبوت میں حدیث لکھنے کا اتنا اہتمام نہیں تھا جتنا کہ قرآن مجید کے لکھنے کا تھا بلکہ بعض روایات سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے کتابت حدیث کی ممانعت کر رکھی تھی ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا :

,,لا تکتبوا عنّی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحه ، وحدثوا عنی فلا حرج و من کذب علّی متعمداً فلیتبّوأ مقعده من النار ،، ۔ (۱)

(تم میری احادیث نہ لکھو اور جو شخص قرآن کے علاوہ میری حدیثیں لکھتا ہو اسکو چاہئیے کہ انہیں مٹا دے ۔ ہاں میری حدیث بیان کرو اسمیں کچھ حرج نہیں اور جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے اسکو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لینا چاہئیے) ۔

اس کے ساتھ بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض خاص خاص ارشادات نبویؐ ایسے بھی تھے جنھیں آپؐ نے خود قلمبند کرایا یا کسی نے انھیں قلمبند کرنا چاہا تو آپ علیہ السلام نے اسکی ممانعت نہیں فرمائی ۔

محدثین اس بارے میں لکھتے ھیں کہ آپ علیہ السلام نے جس زمانہ میں کتابت حدیث کی ممانعت فرمائی تھی وہ نزول وحی کا زمانہ تھا ۔ اگر قرآن کی طرح حدیث کی کتابت کا بھی اہتمام کیا جاتا تو اندیشہ تھا کہ کہیں دونوں میں التباس واقع نہ ھو جائے ۔ جب یہ اندیشہ جاتا رہا تو آپ علیہ السلام نے لکھنے کی اجازت دیدی ۔ عہد رسالت میں روایات کو قلمبند کرنے کا عام اہتمام نہیں تھا ۔ اسکا نتیجہ یہ ھوا کہ آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ کے پاس قرآن کے علاوہ کوئی دوسرا صحیفہ نہیں تھا ۔ ضرورت کے وقت اگر وہ حدیث بیان کرتے تو اپنے حافظہ سے بیان کرتے تھے۔ شیخ محمد الکتانی اس بارے میں لکھتے ھیں ۔

,,کتب عمر بن عبدالعزیز الی عاملہ علی المدینة ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری التابعی : انظر ما کان عندک ای فی بلدک من سنة او حدیث فاکتبہ ، فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء، ولا تقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیفشوا العلم ولیجلسوا حتی یعلم من لایعلم ،، ۔ (۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور آیا تو آپ نے دیکھا کہ جن بزرگوں کے سینوں میں اقوال و افعال نبویؐ کا ذخیرہ موجود ہے یکے بعد دیگرے اٹھتے چلے جا رہے ھیں کہیں ایسا نہ ھو کہ آنے والی نسلیں ان سر چشمہ ھائے سعادت سے بالکل محروم رہ جائیں ۔ آپ نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث اور سنت آپ کو ملے اسکو لکھ لیجیئے ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں علم مٹ نہ جائے اور علماء فنا نہ ھو جائیں اور آپس میں مجالست کرو تاکہ جو شخص نہیں جانتا وہ بھی جان جائے ـــــ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے ابن شہاب زھری اور بعض

اور محدثین عصر نے حدیث کے مجموعے مرتب کئے ۔

بنو عباس کے عہد حکومت میں جب علم و فن کا چرچا عام ہوا اور علوم و فنون کی تدوین شروع ہوئی تو علماء اسلام نے سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور آپ کی سیرت مقدسہ مدون کرنے کی طرف توجہ مبذول کی ۔

تیسری صدی ہجری کا زمانہ تدوین حدیث کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہم ہے کیونکہ اس زمانہ میں حدیث کی سب سے زیادہ اہم کتابیں تالیف ہوئیں ۔ تنقید رواۃ کے اصول متعین ہوئے ۔ جرح و تعدیل کے اسباب مقرر کئے گئے اور ابتک جس طرح متن حدیث کے یاد کرنے، پرکھنے اور اسکو سمجھنے کا اہتمام کیا جاتا تھا اس کے ساتھ اسانید کو محفوظ رکھنے اور ان کی صحت و سقم کی تحقیق و تفتیش کا بھی اہتمام ہونے لگا اور علم اسماء الرجال کے نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد پڑی ۔ ذیل میں ہم محدثین حضرات کے مقرر کردہ اصول اور ان کے اطلاق کے متعلق مختصراً بحث کرینگے ۔

حدیث شریعت کے بنیادی مآخذ میں سے دوسرا ماخذ ہے ۔ اسکا تعلق تین چیزوں سے ہے ۔

(۱) اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) افعال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) احوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی حیثیت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اس لحاظ سے آپ کا ہر قول اور فعل اللہ جل شانہ کی مرضی اور مشیئت کے مطابق ہے ۔ ارشاد باری تعالی ہے :

ما ینطق عن الھوی ، ان ھو الا وحی یوحیٰ " ۔ اور

,,ولكم فى رسول الله اسوة حسنة ،، ـ

محدثین حضرات نے آپ کے اقوال و افعال کی اس بے پناہ اهمیت کے پیش نظر بڑی عقیدت ، توجه ، محنت اور جانفشانی کے ساتھ انھیں هر پہلو سے ضبط کیا ـ ان حضرات کی محنت کا نتیجه ہے که آج همارے سامنے حضور اکرم صلی الله علیه وسلم کی پوری زندگی ایک نقشه کی طرح موجود ہے ـ

اصول روایت :

ان حضرات نے آپ کے اقوال و افعال کو عام تاریخی واقعات کی طرح سن سن کر ضبط نہیں کیا بلکه اس کیلئے باقاعده اصول مرتب کئے اور هر روایت کو ان اصول پر پرکھا ـ تب جا کر اسے ضبط اور نقل کیا ـ

١ ـ راوی کی حیثیت :

محدثین کے نزدیک هر قسم کے راوی کی روایت قابل قبول نہیں ـ اس کیلئے چار شرائط هیں :

(١) اسلام (٢) تکلیف

(٣) ضبط (۴) عدالة

(١) اسلام :

کافر کی روایت قابل قبول نہیں ـ محدثین کے نزدیک یه مسلمه اصول ہے ـ ,,ولا خلاف فی ان روایة الکافر لا تقبل . لانه متهم فی الدین ،، ـ (٣)

(٢) تکلیف :

راوی کیلئے ضروری ہے که وه عاقل و بالغ هو ـ اسلئے که بچه کی عقل میں پختگی نہیں هوتی اسکی بات پر عام اصول کے مطابق اعتماد نہیں کیا جا سکتا ـ ,,ولا تقبل روایة الصبی لانه لاوازع له عن

الکذب فلا تحصل الثقة بقوله ـ وقول الفاسق او ثق من قول الصبی وهو مردود ، فکیف قول الصبی ؟ ـ ولان قوله فی حق نفسه باقراره لا یقبل ، فکیف فی حق غیره ؟ ،، ـ (۴)

نابالغ کی روایت اور اسکی حیثیت :

محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک پانچ برس کا لڑکا حدیث کی روایت کر سکتا ہے۔ اگر کسی صحابی نے پانچ برس کی عمر میں حضور علیہ السلام کے کسی قول کو سنا یا فعل کا مشاھدہ کیا اور پھر اُس کی روایت کی ، تو قابل اعتبار ھو گی ـ ان حضرات کا اس پر استدلال ہے کہ محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے حضور علیہ السلام کے وصال کے وقت وہ پانچ برس کے بچے تھے ـ حضور علیہ السلام نے ایک بار اظہار محبت کے طور پر ان کے منہ پر کلی کا پانی ڈال دیا تھا ـ اس واقعہ کو انھوں نے جوان ھو کر لوگوں سے بیان کیا اور سب نے یہ روایت قبول کی ـ اس سے ثابت ھوا کہ پانچ برس کی عمر والے بچے کی روایت قابل قبول ہے۔

محدثین کی دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ کم سن کی روایت قابل حجت نہیں ـ علامہ سخاویؒ لکھتے ھیں :

,,ولکن قد منع قوم القبول ھنا ای فی مسئله الصبی خاصة فلم یقبلوا من تحمل قبل البلوغ ، لان الصبی مظنة عدم الضبط ، وھو وجه الشافعیه وکذا کان ابن المبارک یتوقف فی تحدیث الصبی ،، ـ (۵)

(ایک جماعت یہاں قبول روایت سے منع کرتی ہے۔ خصوصاً بچوں کی روایت کے مسئلہ میں بلوغ سے پہلے جو روایت کسی بچہ نے سنی ھو اسکو وہ قبول نہیں کرتی ـ شوافع حضرات کی یہی رائے ہے۔ اسی طرح عبداللہ بن مبارک بھی بچہ کی روایت حدیث کرنے میں توقف کرتے ھیں) ـ

لیکن یہاں محدثین حضرات کی دونوں جماعتوں کی رائے بحث طلب ہے بے شک پانچ برس کا بچہ اگر یہ واقعہ بیان کرے کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا تھا ، اسکے سر پر بال تھے یا وہ بوڑھا تھا ، یا اس نے مجھے کچھ دیا تھا تو اس روایت میں شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ۔ لیکن فرض کیجیئے وھی بچہ یہ بیان کرتا ہے کہ فلاں شخص نے فقہ کا یہ دقیق مسئلہ بتایا تھا ، تو شبہ ہوگا کہ بچہ نے صحیح طور سے مسئلہ کو سمجھا بھی تھا یا نہیں ؟ ۔

فقہاء حضرات نے اس نکتہ کا لحاظ رکھا ہے اور یہ اصول بیان کیا ہے:

,,قبول اخبار الصبی الممیز فیما طریقه المشاهدة بخلاف ما طریقه النقل کا الافتاء وروایة الاخبار ونحوه ،، ۔ (٦)

(باتمیز لڑکے کی روایت ان واقعات کے متعلق مقبول ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ھیں ۔ لیکن جو باتیں نقلیات میں داخل ھیں مثلاً فتوی یا حدیث کی روایت ، تو ان میں اسکی روایت مقبول نہیں) ۔

لیکن اس ضمن میں محدثین کے عمل سے جو بات ھمیں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ راوی اگر اخذ روایت کے وقت نابالغ ہو لیکن روایت کرتے وقت ممیز اور بالغ ہو ۔ نیز اسکا بچپن بھی علمی ماحول میں گذرا ہو تو اس صورت میں اسکی روایت قابل قبول ہوتی ہے ۔ بچہ کو اگر شروع سے علمی ماحول میسر آ جائے تو اسکا اسکے ذھن پر بڑا ھی مثبت اثر پڑتا ہے اور یہ ایسی بات ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ۔

ھمارے اس قول کی تائید محدثین کے اس اصول سے بھی بڑی حد تک ہو جاتی ہے : ,,اما اذا کان طفلاً عند التحمل ، ممیزا بالغاً عند الروایة فتقبل .... ، ویدل علی جوازه اجماع الصحابه رضی الله عنهم علی قبول روایة جماعة من احداث ناقلی الحدیث کابن عباس ،

وابن الزبیر و ابی الطفیل . و محمود بن الربیع و غیرهم من غیر فرق بین ما تحملوه قبل البلوغ و بعده ،، ۔ (٧)

یہاں جن حضرات کے نام ذکر کئے گئے ہیں انہیں شروع سے کبار صحابہ کی صحبت حاصل رہی ۔ خاص کر عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو تو خاندان نبوت سے خصوصی تعلق رہا اور اس ماحول نے انہیں یہ مقام عطا کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوتے ہوئے بھی اکثر امور میں حضرت ابن عباسؓ سے مشورہ لیتے تھے اور ان شیوخ صحابہؓ کی مجلس میں آپ کو جگہ دیتے رہے جو ,,بدر،، اور ,,احد،، میں شریک رہے تھے ۔

علامہ سخاوی لکھتے ہیں :

,,فان اصحاب الحدیث قل ما یعتبرونہ فی حق الطفل دون المغفل فانہ متی صح عندھم سماع الطفل او حضورہ اجازوا روایتہ ،، ۔ (٨)

لیکن محدثین حضرات بچہ کے حق میں ہیں مغفل کے حق میں نہیں ، اسکا اعتبار نہیں کرتے ، بلکہ بچہ ان کے نزدیک جب سننے اور مجلس میں شریک ہونے کے قابل ہو گیا تو اسکی روایت کو جائز سمجھتے ہیں ۔

البتہ علمائے اصول نے ,,حضور،، اور ,,سماع،، میں فرق رکھا ہے۔ راوی اگر بلوغ سے پہلے روایت اخذ کرتا ہے تو تحدیث کے وقت وہ ,,حضوراً،، کا صیغہ استعمال کرتا ہے اور اگر بلوغ کے بعد اخذ کرتا ہے تو ,,سمعت ،، یا ,,اخذت سماعاً ،، کا صیغہ استعمال کرتا ہے اسیطرح شیخ بھی اجازت کے وقت ان الفاظ کو ملحوظ رکھتا ہے۔

(٣) ضبط :

ضبط سے مراد روایت کو پوری احتیاط سے سننا اور سمجھنا ہے۔ محدثین کے نزدیک اسکے دو پہلو ہیں ۔

(١) عند السماع (سنتے وقت احتیاط)
(٢) عند التکلم (تکلم کرے وقت)

اس لحاظ سے اگر کسی راوی نے روایت سن لی لیکن ضبط (احتیاط) کو نظر انداز کیا تو روایت معتبر نہ ہو گی۔

ضبط کی دو قسمیں ھیں :

(١) ضبط ظاھر (٢) ضبط باطن

علامه سخاوی لکھتے ھیں :

,,ثم الضبط نوعان ، ظاهر و باطن ـ فالظاهر ضبط معناه من حيث اللغة ، والباطن ضبط معناه من حيث تعلق الحكم الشرعي به وهو الفقه، ومطلق الضبط الذى هو شرط الراوى ، هو الضبط ظاهراً عند الاكثر ، لانه يجوز نقل الخبر بالمعنى ، فتلحقه تهمة تبديل المعنى بروايته قبل الحفظ ، او قبل العلم حين سمع ، ولهذا المعنى قلّت الرواية عن اكثر الصحابة رضى الله عنهم لتعذر هذا المعنى،، ـ (٩)

(ضبط کی دو قسمیں ھیں ، ظاھری اور باطنی ـ ظاھری کے معنی یه ھیں که لفظ (متن) کے لغوی معنی کا لحاظ رکھا جائے ـ باطنی کے معنی یه ھیں که شرعی حکم جس بناء پر متعلق ہے اسکا لحاظ رکھا جائے ـ اسکو اصطلاح میں فقه کہتے ھیں ـ)

لیکن مطلقاً جو ضبط راوی کیلئے شرط ہے وہ جمہور کے نزدیک صرف ظاھری ضبط ہے ـ اسلئے که محدثین کے ھاں روایت بالمعنی جائز ہے ـ اس بناء پر سنتے وقت قلت حفظ یا قلت علم کے سبب سے روایت کے ادا کرنے میں راوی پر مفہوم کے بدل دینے کا شبه ھو سکتا ہے ـ یہی وجه ہے که اکثر صحابہؓ نے بہت کم حدیثیں روایت کیں ـ کیونکه مفہوم کا بعینه روایت میں قائم رکھنا مشکل ہے ـ

۴ ـ العدالة :

حدیث کے راوی کیلئے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو ـ عدالة کی تعریف محدثین نے ان الفاظ میں کی ہے :,,العدالة عبارة عن استقامة السیرة والدین ،، (۱۰) ـ

یعنی عدالة کردار اور دین میں پختگی کا نام ہے ـ

اسکی بنیاد دو چیزوں پر ہے ـ (۱) تقوی (۲) مروءة

حدیث کے راوی کو اس لحاظ سے پرکھا جاتا ہے کہ وہ تقوی کے کس درجہ پر فائز ہے ؟ اور ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ معاشرہ میں اسکی کیا حیثیت ہے ؟ لوگ اس کی ذات اور بات پر کہاں تک اعتماد کرتے ھیں ـ

روایت میں راوی کے قیاس کی تحقیق :

روایت کا تجزیہ کرتے وقت یہ بات پیش نظر رھنی چاھئیے کہ آیا پوری کی پوری روایت اپنی اصل کے مطابق ہے یا اسمیں راوی کی طرف سے بھی کچھ حصہ موجود ہے ـ بعض مواقع پر جب راوی کوئی واقعہ بیان کرتا ہے تو اسمیں اصل واقعہ کے ساتھ ساتھ اسکا قیاس بھی شامل ھوتا ہے ـ مثلاً حضور اکرم صلی‌اللہ علیہ وسلم نے جب ازواج مطہرات سے دوری اختیار فرما لی تھی تو یہ مشہور ہو گیا کہ آپ علیہ السلام نے ازواج کو طلاق دے دی ـ حضرت عمرؓ نے یہ خبر سنی تو مسجد نبویؐ میں آئے یہاں لوگ کہہ رہے تھے کہ حضور علیہ السلام نے ازواج کو طلاق دے دی ـ حضرت عمرؓ نے خود حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا : ,,نہیں ، میں نے طلاق نہیں دی ،، ـ (۱۱)

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ مسجد نبویؐ میں تمام صحابہؓ جمع ھیں اور سب بیان کر رہے ھیں کہ حضور علیہ السلام نے طلاق دے دی ـ

صحابہؓ عموماً ثقہ اور عادل ھیں ـ لیکن جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ھوتا ہے کہ وہ واقعہ نہیں بلکہ قیاس تھا ـ

اس قسم کی اور بھی کئی روایات ذخیرہ حدیث میں موجود ھیں۔ اس لئے محدثین حضرات نے یہ اصول قائم کیا کہ روایت میں راوی کے قیاس کی پوری تحقیق ھونی چاھئیے ـ جمہور کے نزدیک روایت میں اگرچہ ثقہ راوی کی طرف سے اضافہ قابل قبول ہے لیکن وہ صرف الفاظ کی حد تک ہے۔ اگر اضافہ سے معنوی تبدیلی پیدا ھوتی ھو تو اسکی اجازت راوی کو نہیں دی گئی ہے۔

نوعیت واقعہ کے لحاظ سے راوی کا معیار :

اخذ روایت میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ روایت جس امر یا واقعہ پر مشتمل ہے اسکی حیثیت اور نوعیت کیا ہے۔ اسلئے کہ واقعہ یا امر کی حیثیت سے روایت کی حیثیت بھی بدل جاتی ہے۔ مثلاً ایک راوی جو ثقہ ہے ایک ایسا معمولی واقعہ بیان کرتا ہے جو عموماً پیش آتا ہے اور پیش آ سکتا ہے تو بےتکلف یہ روایت قابل قبول ہے۔ لیکن وھی راوی اگر ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو غیر معمولی ہے ، تجربہ عام کے خلاف ہے ، اور زیادہ تحقیق طلب ہے تو اس کیلئے اب راوی کا معمولی درجۂ و ثوق کافی نہیں ھو سکتا بلکہ اس کو معمولی درجہ سے زیادہ عادل زیادہ محتاط اور زیادہ نکتہ داں ھونا چاھئیے ـ

راوی کے درجہ کا لحاظ (باعتبار خبر) :

امام بیہقی اپنی کتاب ,,المدخل،، میں ابن مہدی کا قول نقل کرتے ھیں : ,,اذا روینا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الحلال والحرام والاحکام شددنا فی الاسانید، وانقدنا فی الرجال ، واذا روینا فی الفضائل والثواب والعقاب سہلنا فی الاسانید ، وتسامحنا فی الرجال ،، ـ (۱۲)

(جب هم حضور اکرم صلی الله علیه وسلم سے حلال و حرام اور احکام کے متعلق حدیث روایت کرتے هیں تو سند میں خوب تشدد کرتے هیں اور راویوں کو پرکھ لیتے هیں ـ لیکن جب فضائل اور ثواب و عقاب کی حدیثیں آتی هیں تو هم سندوں میں تساهل (ڈهیل) سے کام لیتے هیں اور راویوں کے متعلق چشم پوشی کرتے هیں) ـ

امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور قول ہے : ,,ابن اسحاق رجل تکتب عنه هذه الاحادیث یعنی المغازی ونحوها، واذا جاء الحلال والحرام اردنا قوماً هکذا ، وقبض اصابع یدیه الاربع ,, ـ (١٣)

(ابن اسحاق اس درجہ کے آدمی هیں که مغازی وغیره کی حدیثیں ان سے روایت کی جا سکتی هیں ـ لیکن جب حلال و حرام کے مسائل آئیں تو هم کو ایسے لوگ درکار هیں که انهوں نے چار انگلیاں بند کر کے دبا لیں ـ)

فقهیه راوی کی روایت :

اصول روایت میں روایت کی سند پر بحث کی جاتی ہے ـ محدثین اس روایت کو ترجیح دیتے هیں جس کی سند عالی هو ـ اس روایت کی سند کو عالی کا درجه دیا جاتا ہے جس کے زیاده راوی فقیهه هوں یا پوری سند میں ایک فقیهه هو ـ علمائے احناف کا مسلک یه ہے که جو روایت قیاس کے خلاف هو اسکی نسبت یه دیکهنا چاهئیے که اسکا راوی فقیهه ہے یا نهیں نور الانوار میں ہے : ,,والراوی ان عرف بالفقه والتقدم فی الاجتهاد کاالخلفاء الراشدین والعبادلة ، کان حدیثه حجة یترک به القیاس ، خلافاً لمالک ، وان عرف بالعدالة والضبط دون الفقه کانس و ابی هریرة ، ان وافق حدیثه القیاس عمل به وان خالفه لم یترک الا بالضرورة ,, ـ (١٤)

(راوی اگر تفقه اور اجتهاد میں مشهور ہے جیسے که خلفاء

راشدین اور عبادلہ اربعہ ھیں تو اسکی حدیث حجت ھو گی اور اسکے مقابلہ میں قیاس چھوڑ دیا جائیگا ۔ اس بارے میں امام مالک کا اختلاف ہے اور اگر راوی ثقہ اور عادل ہے لیکن فقیہہ نہیں جیسے کہ حضرت انس اور حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہما تو اس صورت میں اگر روایت قیاس کے موافق ھو گی تو اسپر عمل ھو گا ورنہ قیاس کو ضرورت کے بغیر ترک نہ کیا جائیگا) ۔

سند میں اتصال کا لحاظ :

سند میں اتصال سے مراد یہ ہے کہ راوی براہ راست اپنے پیش رو راوی سے روایت لے رھا ھو اور یہ سلسلہ سند کی ابتداء سے انتہا تک قائم رھے ۔ درمیان میں انقطاع نہ ھو ۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ھیں:

,,مسلمانوں نے فن سیرت کا جو معیار قائم کیا وہ بہت زیادہ بلند تھا ۔ اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے ۔ اسکے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو حضرات سلسلۂ روایت میں آئے کون لوگ تھے ؟ ۔ کیسے تھے ؟ ، کیا مشاغل تھے ؟ ، چال چلن کیسا تھا ؟ ، حافظہ کیسا تھا ، سمجھ کیسی تھی ،؟ ، ثقہ تھے یا غیر ثقہ ؟ سطحی الذھن تھے یا دقیقہ بین ؟ ، عالم تھے یا جاھل ؟ ، ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا ۔ سینکڑوں ھزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں ۔ ایک ایک شہر میں گئے ، راویوں سے ملے ، ان کے متعلق ھر قسم کی معلومات بہم پہنچائیں ، جو لوگ ان کے زمانہ میں موجود نہ تھے ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کئے ۔ (۱۵)

صحابہ کرامؓ کے عہد میں کسی روایت کی توثیق کا قاعدہ یہ تھا

که راوی سے شہادت طلب کی جاتی تھی ۔ تابعین کے عہد میں صرف شہادت کافی نہیں ہو سکتی تھی ۔ اسلئے اسناد کا سلسلہ قائم کیا گیا ۔ یعنی جب کوئی راوی روایت بیان کرتا تھا تو اسے بتانا پڑتا تھا کہ اس نے وہ روایت کس سے سنی ہے اور اس نے کس سے سنی تھی ۔ یہاں تک کہ وہ سلسلہ صحابی تک پہنچ جاتا تھا ۔ بڑے بڑے ائمہ اسکا التزام کرتے تھے ۔

ایک بار امام زھریؒ جن کی فراست و ثقاهت میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا ، انھوں نے حضرت سفیان بن عیینۃؒ سے ایک حدیث بیان کی اور اسکے ساتھ اسناد بھی بیان کرنی شروع کیں تو سفیان بولے : آپ سند رهنے دیجیئے ،، ۔ امام زھریؒ نے فرمایا : ,,کیا آپ بغیر سیڑھی کے چھت پر چڑھنا چاهتے هیں ،، ۔ (١٦)

تابعین کے دور اولین میں اسناد کا عام طور پر زیادہ اہتمام نہیں کیا جاتا تھا ۔ لیکن جب طرح طرح کے فرقے پیدا ہو گئے اور بعض لوگوں نے اپنے عقائید باطلہ کو ثابت کرنے کیلئے احادیث وضع کرنی شروع کیں تو سند حدیث کی روایت کیلئے ایک لازمی اور اہم شرط قرار دیدی گئی ۔

محمد بن سیرینؒ کا قول ہے : ,,ان هذا العلم دین ، فانظروا عمّن تاخذون دینکم ،، (١٧) ۔ (یہ علم (حدیث) دین ہے ۔ تم دیکھو کہ اپنے دین کو کس سے حاصل کر رهے هو) ۔

پھر فرماتے هیں : ,,لم یکونوا یسئلون عن الاسناد ، فلما وقعت الفتنة قالوا سموالنار جالکم ، فینظر الی اهل السنة فیؤخذ حدیثهم وینظر الی اهل البدع فلا یؤخذ حدیثهم ،، ۔ (١٨)

(پہلے لوگوں سے اسناد کے متعلق سوال نہیں کیا جاتا تھا پھر جب فتنہ واقع ہو گیا تو محدثین نے کہا ہم سے اپنے راویوں کے نام

بیان کرو ۔ تاکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ اہل سنت میں سے ہیں یا نہیں ، اگر ہیں تو ان کی حدیث قبول کر لی جائے اور اگر وہ اہل بدعت میں سے ہیں تو ان کی حدیث ترک کر دی جائے) ۔

شذوذ :

محدثین حدیث کو اس لحاظ سے بھی پرکھتے ہیں کہ اس میں شذوذ تو نہیں ۔ عدم شذوذ سے مراد یہ ہے کہ راوی نے جو حدیث روایت کی ہے اس میں کوئی ایسا شخص اس کے مخالف نہ ہو جو اس سے زیادہ قابل ترجیح اور ثقہ ہے۔ یعنی الشذوذ ھو مخالفة الثقة لمن ھو اوثق منه ۔ (١٩) ۔

علّت :

محدثین کے نزدیک وہ روایت صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچتی جس میں علت ہو۔ علت سے مراد یہ ہے کہ روایت میں کوئی ایسا امر نہ پایا جائے جو صحت حدیث میں قادح ہو۔ مثلاً ارسال خفی ، یعنی راوی کا اپنے معاصر سے لفظ عن سے روایت کرنا ۔ جس سے یہ شبہ ہو کہ راوی نے اس سے سماع کیا ہے۔ حالانکہ اسے اپنے معاصر مروی عنه سے بالکل سماع حاصل نہ ہو۔ یا تدلیس یعنی روایت تو کرتا ہے اس شخص سے جس سے اس کو سماع حاصل ہے لیکن نقل وہ روایت کرتا ہے جو اس نے اس سے نہیں سنی اور اس انداز سے بیان کرتا ہے کہ گویا اس نے اس روایت کو خود مروی عنه سے سنا ہے۔

محدثین نے علت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :

,,العلة ۔ سبب غامض خفی یقدح فی صحة الحدیث مع ان ظاھرہ السلامة منه ۔ (٢٠) (علت ایک ایسا سبب ہے جو بہ ظاہر نظر نہیں آتا لیکن روایت کی صحت پر اثر انداز ہوتا ہے) ۔

روایت کے الفاظ میں احتیاط :

روایت کے الفاظ (متن) کی حفاظت محدثین کے ہاں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ہر ایک محدث کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ روایت بیان کرتے وقت اسکے الفاظ کو بعینہ بیان کرے۔ ان میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ آنے پائے۔

محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک روایت بالمعنی غیر عالم کیلئے بالکل حرام ہے۔

قال العلماء : نقل الحدیث بالمعنی دون اللفظ حرام علی الجاهل بمواقع الخطاب ودقائق الالفاظ ، اما العالم بالفرق بین المحتمل وغیر المحتمل ، والظاهر والاظهر والعام والاعم ، فقد جوّزله ذلک الشافعی و ابوحنیفه رحمهما الله تعالی وجماهیر الفقهاء ۔ وجماعة من اهل الحدیث » ۔ (۲۱)

(علماء حدیث کے نزدیک لفظ کو نظر انداز کر کے حدیث کو معناً نقل کرنا غیر عالم کیلئے حرام ہے۔ ہاں جو عالم محتمل اور غیر محتمل، ظاہراور اظہر، عام اوراعم میں فرق‌کرسکتا ہوتو اس‌کیلئے امام شافعی ، امام ابو حنیفه ، جمہور فقہاء اور محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک حدیث کو معناً نقل کرنا جائز ہے۔)

وقال قوم : لا یجوز الا ابدال اللفظ بما یرادفه ویساویه فی المعنی کما یبدل القعود بالجلوس ، والعلم بالمعرفة ، والقدرة باالاستطاعة ، ونحو ذلک » ۔ (۲۲)

(محدثین کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ روایت کے لفظ کو دوسرے مترادف لفظ کے ساتھ بدلنا جائز ہے۔ مثلاً قعود کی جگہ جلوس کا لفظ استعمال کرنا۔ علم کی بجائے معرفة کا لفظ لانا ، قدرة کی بجائے استطاعت کا لفظ کہنا وغیرہ وغیرہ ۔)

روایت بالمعنی کے سلسلے میں محدثین مختلف آراء رکھتے ھیں۔ لیکن جمھور کا مسلک یہ ہے کہ اگر راوی اپنے الفاظ میں اسطرح مطلب ادا کرتا ہے کہ اصل حقیقت میں فرق نہیں پیدا ھوتا تو الفاظ کی پابندی ضروری نہیں۔

اصول روایت کا اطلاق :

تدوین حدیث کے سلسلہ میں محدثین حضرات نے اصول روایت کا پورا پورا خیال رکھا۔ ان حضرات نے ایسی کوئی روایت نہیں لی جو مقرر کردہ اصول کے مطابق نہ ھو۔ اس ضمن میں بنیادی حیثیت سند کو حاصل ہے۔ سلسلہ سند کے اندر جتنے رجال (راوی) ھوتے ھیں محدثین ان میں سے ھر ایک کے متعلق پوری تحقیق کرتے ھیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی راوی قابل اعتماد نہ ھو تو روایت کو قبولیت کا اعلی درجہ نہیں دیتے بلکہ اس روایت کی پوری تصریح کرتے ھیں کہ کس درجہ کی ہے۔ علامہ ابن الصلاح لکھتے ھیں :

,,أصل الاسناد اولا خصیصة فاضلة من خصائص ھذہ الامة و سنة بالغة من السنن المؤکدہ روینا من غیر وجه عن عبداللہ بن المبارک انه قال : الاسناد من الدین ، لو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء ، وطلب العلوفیه سنة ایضاً ۔ ولذلک استحبت الرحلة فیه .... ۔

قال احمد بن حنبل رضی اللہ عنه : طلب الاسناد العالی سنة عمن سلف ، وقد روینا ان یحیی بن معین رضی اللہ عنه قیل له فی مرضه الذی مات فیه ما تشتھی ؟ . قال بیت خالی و اسناد عالی » ۔ (۲۳)

اصل اسناد اس امت کے خصائص میں سے ہے اور سنن موکدہ میں سے ایک بڑی سنت ہے۔ ائمہ حدیث کو اسناد عالی کی طلب اتنی ھوتی تھی کہ نفس واپسیں کے وقت بھی جبکہ انسان دنیاومافیھا سے بےخبر ھوتا ہے اسے فراموش نہیں کرتے تھے۔ یحیی

بن معینؒ کا انتقال ہونے لگا تو کسی نے ان سے پوچھا : اس وقت آپ کی کیا آرزو ہے ؟ فرمایا : ایک تنہا مکان اور ایک عالی اسناد :۔

اسماء الرجال کی تدوین :

علم اسناد الحدیث کی وجہ سے ہی رواۃ حدیث کے حالات و سوانح کی چھان بین کی گئی ، ان کے اخلاق و اعمال کے ایک ایک گوشہ کی بکمال احتیاط تحقیق و تفتیش کی گئی جس سے ,,اسماء الرجال ،، کا وہ عظیم الشان فن مدون ہو گیا جس کی نظیر کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی ۔ جرمنی کے مشہور فاضل مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر جنہوں نے الاصابہ کی تصحیح کی ہے ۔ لکھتے ہیں : نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو ۔ جس کی بدولت آج پانچھ لاکھ افراد کا حال معلوم ہو سکتا ہے (۲۴) ۔

محدثین نے اس سلسلہ میں جس انتہائی جفاکشی ، دیانتداری اور اصلاح و تقوی کا ثبوت دیا ہے ، بے شبہ اسکو اسلام کا ایک معجزہ کہا جا سکتا ہے۔ انہوں نے جرح و تعدیل کا جو معیار مقرر کیا تھا اس پر حکمرانوں سے لیکر بڑے بڑے ائمہ مذاہب کو پرکھا اور اس راہ میں نہ ان کو کوئی دنیوی طاقت مرعوب کر سکی اور نہ وہ کسی کی مذہبی قیادت سے خوف زدہ ہوئے ۔ جس شخص میں کوئی ذرا سا نقص دیکھا برملا کہہ دیا ۔ علی بن شقیق کہتے ہیں:

,,میں نے ایک مرتبہ عبداللہ بن مبارک کو دیکھا کہ ایک بھرے مجمع میں کہہ رہے تھے : لوگو! عمرو بن ثابت کی حدیثیں نہ قبول کرو یہ سلف کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے ،، ۔ (۲۵)

یحیی بن سعید کہتے ہیں ۔ :

,,میں نے حضرت سفیان ثوری ، شعبہ ، مالک اور ابن عیینہ سے پوچھا کہ اگر ایک شخص حدیث میں لائق اعتماد نہ ہو اور مجھ سے کوئی شخص اسکے متعلق دریافت کرے تو میں کیا کہوں ؟ سب نے بالاتفاق کہا : ,, تم صاف صاف کہہ دو کہ وہ قابل اعتبار نہیں '' (۲٦) ۔

امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں ایک فصل کے تحت اسپر مفصل کلام کیا ہے اور محدثین کے اقوال سے ثابت کر دیا ہے کہ اگر کسی شخص کے متعلق کوئی ذرا سا شبہ بھی ہو تو اسکی حدیث قبول نہ کرنی چاھئیے اور صرف یہی نہیں بلکہ اسکا اعلان عام کر کے لوگوں کو اسکے فتنہ اور شر سے بچانے کی کوشش بھی کرنی چاھئیے ۔

محدثین کو کسی کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ شخص روایت کے قبول کرنے میں راوی کی جانچ پڑتال اور اسکے حالات کی تحقیق نہیں کرتا تو وہ اسکو بھی ناقابل اعتبار قرار دیتے تھے ۔ خواہ وہ بذات خود کتنا ھی ثقہ اور عادل کیوں نہ ہو ۔ عبداللہ بن مبارک نے ایک راوی بقیہ کے متعلق فرمایا : ,,صدوق اللسان ولکنہ یأخذ عمن اقبل و ادبر '' ۔ (۲۷)

(زبان کا سچا ہے لیکن ہر کہ ومہ سے روایت قبول کرتا ہے) ۔

محدثین نے اس فن کو غیر معمولی ترقی دی اور رواۃ کے احوال میں بڑی بڑی کتابیں لکھیں ۔ پھر جو راوی ضعیف یا مجہول تھے ان کے احوال میں الگ اور جو معتبر اور ثقہ تھے ان کے حالات میں الگ کتابیں لکھیں ۔ ذیل میں ہم مختصراً ان کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں ۔

۱) کتاب التاریخ فی الرجال :

یحییٰ بن معین بن عون المری (۱۵۸ھ ــــ ۲۳۲ھ) کی تالیف ہے۔ یہ کتاب رواۃ کے حالات پر مشتمل ہے۔ یحیی بن معین مشہور محدث ہیں ۔ امام بخاری، امام مسلم اور امام ابو داؤد کے شیخ ہیں ۔ امام احمد رحمہ اللہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں : ,,یحیی بن معین اعلمنا بالرجال ،، ۔ یہ کتاب ,,مطابع الھیئۃ العامۃ للکتاب قاھرۃ ،، سے چھپ چکی ہے ۔ (سن طباعت ۔ ۱۳۰۰ ھ) ۔

۲) علل الحدیث و معرفۃ الرجال :

ابو الحسن علی بن عبداللہ المدینی (۱۶۱ ھ ــــ ۲۳۴ ھ) کی تالیف ہے ۔ محدثین کے ہاں ,,قائد علم الرجال والعلل،، کے نام سے معروف ہیں ۔ امام بخاری کے شیخ ہیں ۔ آپ کی اکثر کتابیں ضائع ہو گئی ہیں ۔ یہ کتاب حال ہی میں قاہرہ سے چھپ چکی ہے۔ (سن طباعت ۔ ۱۹۸۰ء)

۳) التواریخ للامام البخاری :

امام بخاری نے رجال اور ان کے طبقات پر پوری توجہ دی اور اس سلسلہ میں چار کتابیں تالیف کیں ۔

۱ ۔ التاریخ الکبیر ۔ یہ کتاب حیدر آباد سے چار جلدوں میں چھپ چکی ہے ۔

۲ ۔ التاریخ الاوسط ۔ یہ کتاب ابھی تک طبع نہ ہو سکی ۔ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب میں اس سے استفادہ کیا ہے ۔

۳ ۔ التاریخ الصغیر : یہ کتاب ہندوستان اور قاہرہ سے چھپ چکی ہے ۔

۴ ۔ الضعفاء الصغیر : ۔ یہ کتاب قاہرہ سے ۱۹۷۶ء میں چھپ چکی ہے ۔ اس سے پہلے الہ آباد سے بھی چھپ چکی ہے ۔

۴) کتاب الضعفاء والمتروکین :

امام احمد بن علی بن شعیب النسائی کی تالیف ہے۔ امام نسائی محدثین کے ہاں امام جرح و تعدیل کے نام سے مشہور ھیں ۔ یہ کتاب الہ آباد اور قاھرہ سے چھپ چکی ہے۔

۵) الضعفاء الکبیر لابی جعفر العقیلی (المتوفی ۳۲۲ھ)

محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد العقیلی المکی کی تالیف ہے۔ خاص ضعیف الروایۃ افراد کے حال میں ہے۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت سے چھپ چکی ہے۔ یہ کتاب محدثین کے ہاں شروع سے رائج رھی ہے۔

٦) کتاب الجرح والتعدیل :

حافظ احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی (۱۸۲ ھ ــــ ۲۵٦ ھ) کی تالیف ہے۔ آپ کی دوسری کتاب ,,تاریخ الثقات ،، ہے۔

۷۔ الجرح والتعدیل :

عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ھ کی تالیف ہے۔ انھوں نے وھی طرز اختیار کیا ہے جو امام بخاری نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں اپنایا ہے۔ محدثین کے ھاں اس کتاب کو عام شہرت حاصل ہے۔

۸ ۔ الکامل فی الضعفاء :

حافظ ابو احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی کی تالیف ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں ھر متکلم فیہ راوی کا تذکرہ کیا ہے اور ھر ایک راوی کے ترجمہ میں روایت بھی پیش کی ہے۔ جرح و تعدیل میں یہ کتاب سب سے زیادہ قابل اعتبار و اعتماد ہے۔ آپ ۲۷۷ ھ میں پیدا ھوئے اور ۳٦۵ ھ میں وفات پائی ۔ یہ کتاب دارالفکر بیروت سے چھپ چکی ہے۔

بعد میں محدثین نے اس فن کو مزید ترقی دی اور تالیفات کیں

لیکن یہ ساری تالیفات سابقہ تالیفات سے ماخوذ ہیں ۔ ان میں مشہور کتب کے نام یہ ہیں ۔ تہذیب الکمال ۔ تہذیب التہذیب ، لسان المیزان ، تقریب ، تذکرۃ الحفاظ ، میزان الاعتدال وغیرہ ۔

صحابہ کرامؓ اور اصول روایت :

ذخیرۂ حدیث کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے ہاں بھی اصول روایت پر عمل رہا بلکہ یہ کہنا برجا نہ ہوگا کہ بعد کے ادوار میں محدثین حضرات نے انہی اصولوں کو بنیاد بنا کر اس فن کو ایک نئی شکل دی ۔ ذیل میں ہم مختصراً اس پر بحث کریں گے ۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے طرز عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات احکام کے سلسلہ میں ایک راوی کی روایت پر اکتفا نہ فرماتے تھے ۔ بلکہ تائید کیلئے شہادت بھی طلب فرماتے تھے ۔

,,کان عمر رضی اللہ عنہ ۔ یطلب من الصحابة البینة علی روایتھم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، فھذا ابو موسیٰ الاشعری یستأذن علی عمر بن الخطاب ثلاث مرات فلم یؤذن لہ ، فرجع ، فبلغ ذلک عمر، فقال : ما ردک ؟۔ فقال : انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول : اذا استأذن احدکم ثلاثٌ مرات فلم یؤذن لہ فلیرجع ، فقال : لتجیسئن علی ھذا بینة، والا۔ توعدہ ، فانصرف ، فدخل المسجد فاتی مجلس الانصاری ، فقص علیھم القصة :۔ ما قال لعمر وما قال لہ عمر فقام معہ ابو سعید الخدری ، فشھدہ ، فقال لہ عمر : انا لانتھمک ، ولکن الحدیث عن رسول اللہ شدید ،، ۔ (۲۸)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا واقعہ ہے جس کو حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان کیا کہ ابو موسیٰ نے حضرت عمرؓ کے دروازے پر تین بار

دستک دی ـ جب جواب نہ ملا تو واپس ہوئے ـ حضرت عمرؓ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجا اور ان کو واپس بلایا اور فرمایا : ,,کیوں واپس لوٹ گئے تھے ؟ ,,حضرت ابو موسیٰ نے جواباً کہا : ,,میں نے حضور علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے : ,,اذا سلم احدکم ثلاثاً فلم یجب فلیرجع ،، ـ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس روایت پر شہادت پیش کرو ورنہ تمہارے ساتھ میں کچھ کرونگا ـ حضرت خدریؓ کہتے ہیں ـ ابو موسیٰؓ ہمارے پاس (انصار کا ایک مجمع تھا) آئے ان کے چہرہ کا رنگ متغیر تھا ـ ہم نے پوچھا ، کیا حال ہے ؟ آپ نے پورا واقعہ سنایا اور دریافت کیا کہ کیا آپ لوگوں میں کسی نے یہ حدیث سنی ہے ؟ بخاری کی روایت میں ہے کہ اہل مجلس نے کہا : ,,ہم میں سب سے چھوٹا اس کی شہادت دے گا ـ چنانچہ میں (ابو سعید خدریؓ) اٹھا اور حضرت عمرؓ کے روبرو حاضر ہو کر شہادت پیش کی ـ حضرت عمرؓ نے فرمایا : ابو موسیٰ میں آپ کو ناقابل اعتبار نہیں سمجھتا ـ لیکن یہ معاملہ حدیث کا تھا اسلئے گواہ کی ضرورت تھی ـ

عن قبیصہ بن ذؤیب ، قال : جاءت الجدة الی ابی بکر فسئالته میراثها ، فقال : مالک فی کتاب الله شی ، وما علمت لک فی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم شیئاً فارجعی حتی اسئال النـاس ، فسئال الناس ، فقال المغیرة بن شعبة : حضرت رسول الله صلی الله علیه وسلم فاعطاها السدس ، فقال : هل معک غیرک : فقام محمد بن مسلمة الانصاری فقال مثل ما قال المغیرة ، فانفذه لها ابوبکر ـ (۲۹)

ایک بار حضرت ابوبکرؓ کے پاس ایک عورت آئی اور عرض کیا کہ فلاں شخص جس کا انتقال ہو گیا ہے میرا نواسہ تھا میں اسکی نانی ہوں متوفی کی میراث سے مجھ کو حصہ دلا دیجیئے ـ آپؓ نے

فرمایا تیرے اس مطالبہ کے حق میں نہ تو کتاب اللہ نے کچھ کہا ہے اور نہ سنت رسول میں کچھ ہے۔ لوگوں سے معلوم کرونگا پھر بتاؤں گا ۔ آپ نے پوچھا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے نانی کو چھٹا حصہ دلایا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا : آپ کا کوئی شاہد بھی ہے ؟ ۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے شہادت دی کہ ہاں میری موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نانی کو چھٹا حصہ دلایا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اس خاتون کو چھٹا حصہ دلایا ۔

حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ اس ایک مسئلہ کے علاوہ اور کہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں کہ انہوں نے کسی صحابی کی روایت سن کر اس پر شہادت طلب کی ہو۔ لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں ۔ عین ممکن ہے کہ اس روایت کے علاوہ آپؓ نے کسی صحابی سے ایسی حدیث نہ سنی ہو ۔ جس میں وہ منفرد ہو۔ یا جس کا علم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہ ہو ۔

حضرت عمرؓ نے ایک بار مسجد کی توسیع کیلئے حضرت عباسؓ سے زمین طلب کی انہوں نے انکار کر دیا اور حدیث بیان کی کہ آپ زیادتی نہیں کر سکتے ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا : اسپر گواہ پیش کیجیئے ورنہ اچھا نہیں ہو گا ۔ حضرت عباسؓ نے انصار کی ایک جماعت سے اسکا ذکر کیا ۔ حضرت عمر کے سامنے ان حضرات نے تصدیق کی ۔ تو فرمایا : ,,انی لم اتھمک ولکن احببت ان اتثبت ,, ۔ یعنی میں آپکو ناقابل اعتماد نہیں سمجھتا لیکن چاہا کہ تصدیق کر لوں ۔ (۳۰)

مسود بن مخزمہ کا بیان ہے ایک بار حضرت عمرؓ نے ایک سلاقط

بچه کی دیت کے بارے میں مشورہ کیا ۔ حضرت مغیرہؓ بولے حضور اکرم صلی اللہ علیه وسلم نے ایک لونڈی کے متعلق یه فیصله کیا ہے ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اس پر شہادت پیش کرو ، محمد بن مسلمه نے کہا میں گواہی دیتا ہوں که بے شک حضور علیه السلام نے ایسا فیصله کیا تھا ۔ (۳۱) ۔

امام ذهبی حضرت عمرؓ کے متعلق لکھتے ہیں :

,,هوالذی سنّ للمحدثین التثبت فی النقل " ۔ یعنی حضرت عمرؓ وہ ہستی ہیں جنھوں نے محدثین کیلئے تثبت فی النقل کا طریقه رائج کیا ۔ (۳۲)

پھر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ والا واقعه نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

,,احب عمر ان یتاکد عنده خبر ابی موسیٰ بقول صاحب آخر ، ففی هذا دلیل علی ان الخبر اذا رواه ثقتان کان أقوی و ارجح مما انفرد به واحد و فی ذلک حضّ علی تکثیر طرق الحدیث لکی یرتقی عن درجة الظن الی درجة العلم اذ الواحد یجوز علیه النسیان والوهم ولا یکاد یجوز ذلک علی ثقتین لم یخالفهما احد " ۔ (۳۳)

یعنی حضرت عمر چاہتے تھے که ابو موسیٰ کی حدیث کسی دوسرے شخص کی شہادت سے مؤکد ہو جائے یه اس بات کی دلیل ہے که کسی خبر کو دو ثقه آدمی بیان کریں تو وہ حدیث منفرد کی به نسبت زیادہ قوی اور قابل ترجیح ہو جاتی ہے اور حضرت عمرؓ نے ایسا کر کے طرق حدیث کی کثرت کیطرف بھی لوگوں کو ترغیب دی ہے ، تاکه وہ درجه ظن سے نکل کر درجه علم کی طرف آ جائے ۔ کیونکه واحد کے متعلق تو یه احتمال رہتا ہے که اسپر بھول اور وہم طاری ہو گیا ہو لیکن دو ثقه جن کی کسی نے مخالفت نه کی ہو ان

کی نسبت ایسا احتمال صحیح نہیں ہو سکتا ۔

روایت حدیث میں صحابہ کرامؓ کی حد درجہ احتیاط کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان میں بعض حضرات کا حال یہ تھا کہ صحیح طور پر قال رسول اللہ بھی نہیں کہہ سکتے تھے ۔ ابو عمرو الشیبانی کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعودؓ کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا وہ خوف کے مارے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے تھے اگر کہتے بھی تھے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسطرح فرمایا ، یا ایسا ہی فرمایا یا تقریباً ایسا ہی فرمایا ۔ (۳۴)

اصول روایت اور ائمہ مجتہدین :

۱) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ :

امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ تک احادیث کے بہت سے دفتر تیار ہو چکے تھے ۔ لیکن ضرورت تھی کہ روایات کے قبول و رد کے اصول مرتب کئے جائیں ۔ چنانچہ امام صاحب نے اس جانب توجہ دی اور بہ لحاظ ثبوت احکام ان کے مراتب کی تفریق کی ۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں : ,,والامام ابوحنیفہ انما قلّت روایتہ لما شدّد فی شروط الروایة والتحمل‘‘ ۔ یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اخذ حدیث کی شرط میں سختی کی ہے ۔ (۳۵)

ان شرائط کے متعلق امام طحاوی نقل کرتے ہیں :

,,حدثنا سلیمان بن شعیب حدثنا ابی ، املأ علینا ابو یوسف قال ، قال ابو حنیفہ : ,,لا ینبغی للرجل ان یحدث من الحدیث الا بما حفظہ من یوم سمع الی یوم یحدث ‘‘ (کسی شخص کو اسوقت تک حدیث نہیں بیان کرنا چاهئیے جب تک کہ سننے کے دن سے بیان کرنے کے دن

تک یاد نہ ہو) ۔ (۳۶)

امام عبدالوہاب شعرانی کہتے ہیں : ,,وقد کان الامام ابوحنیفه یشترط فی الحدیث المنقول عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قبل العمل به ان یرویه عن ذلک الصحابی جمع اتقیاء عن مثلهم وهکذا،،(۳۷)۔

(جو حدیث حضور علیہ السلام سے منقول ہو اسکے متعلق امام صاحب عمل سے پہلے شرط لگاتے ہیں کہ اسکو متقی لوگوں کی ایک جماعت اس صحابی سے مسلسل نقل کرتی چلی آئی ہو) ۔

علامہ ذہبی امام صاحب رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں :

,,اخذ بکتاب الله ، فما لم اجد فبسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم والآثار الصحاح عنه التی فسشت فی ایدی الثقات عن الثقات ، فان لم اجد، فبقول اصحابه ، اخذ بقول من شئت ، واما اذا انتهی الامر الی ابراهیم والشعبی والحسن وعطا فاجتهد کما اجتهدوا ،، ۔ (۳۸)

(سب سے پہلے میں کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اگر اسمیں حکم نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ علیہ السلام کی ان صحیح حدیثوں سے جو ثقات کے ہاتھوں ثقات ہی کے ذریعہ شائع ہوئی ہیں ۔ پھر اگر یہاں نہ مل سکے تو آپ علیہ السلام کے صحابہ میں سے جس کا قول چاہتا ہوں اختیار کر لیتا ہوں۔ لیکن جب بات ابراہیم ، نخعی ، شعبی ، حسن اور عطا تک پہنچ جاتی ہے تو پھر میں اجتہاد سے کام لیتا ہوں جیسا کہ ان حضرات نے اجتہاد کیا ۔)

امام صاحبؒ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ آپ صرف ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جو صحیح ہیں اور جن کی اشاعت ثقات کے ذریعہ سے ہوتی ہے ۔

۲) امام شافعی رحمہ اللہ :

امام شافعیؒ نے اپنے دور کے تمام مراکز علوم سے استفادہ کیا ۔ اس دور تک عام مؤلفین کا طرز یہ تھا کہ وہ اپنی کتابوں میں احادیث مرفوعہ کے ساتھ صحابہ و تابعین کے اقوال بھی درج کرتے تھے ۔ مگر امام شافعی کے دور میں یہ طرز بدل گیا ۔ اب تک علماء مسند و مرسل دونوں سے استدلال کرتے تھے ۔ مگر آپ نے مرسل کو غیر مشروط طور پر قبول کرنے سے اختلاف کیا ۔

امام محمد بن جریر طبری فرماتے ھیں : ,,ان التابعین اجمعوا باسرھم علی قبول المرسل ولم یأت عنھم انکارہ ولا عن احد من الائمة بعدھم الی رأس المائتین ،، (۳۹)۔ (تابعین حضرات سارے کے سارے مرسل کے قبول کرنے پر متفق تھے ان سے اور نہ ان کے بعد کسی اور امام سے اسکا انکار ثابت ہے۔ لیکن امام شافعی نے مرسل حدیث سے استدلال کرنے کے بارے میں اختلاف کیا) ۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے مرسل کو قبول کرنے سے انکار کیا ۔ لیکن ھماری تحقیق کے مطابق آپ کا یہ اصول دیگر ائمہ اجتہاد کے اصول کے خلاف نہیں ۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی حدیث مرسل سے غیر مشروط طور پر استدلال نہیں کرتے ۔ اسی طرح محدثین کی اچھی خاصی جماعت اس اصول کی حامی نظر آتی ہے کہ مرسل کو ھر حال میں قبول نہیں کرنا چاھئیے ۔ بلکہ معروف شرائط کو مدنظر رکھکر اس سے استدلال کرنا چاھئیے ۔

اصول روایت اور محدثین :

۱) امام بخاری :

امام بخاریؒ کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسی روایت کی تخریج کرتے ھیں جس کے سارے رواۃ صحابی مشہور تک ثقہ ھوں اور

ان کی ثقاهت پر کبار محدثین کا اتفاق هو ـ اسکی سند متصل هو منقطع نه هو جس روایت کے صحابی سے دو یا اس سے زیادہ راوی هوں وہ نہایت هی اعلی و ارفع هو گی اور اگر ایک هی راوی هو اور اسکی سند صحیح هو تب بھی کوئی مضائقه نہیں ـ امام مسلم نے ایسے حضرات سے بھی حدیث کی تخریج کی ہے جن کی حدیث کو کسی شبه کی بناء پر امام بخاری نے ترک کر دیا تھا ـ جس کی مثال امام زهری کے تلامذه میں ، جو اوصاف کی کمی اور زیادتی کے لحاظ سے پانچ طبقوں میں تقسیم کئے گئے هیں ـ امام بخاری نے ان میں سے طبقه اولی سے اصالةً اور طبقه ثانیه سے (جن کی روایات پر ان کو اعتماد ہے) اپنی صحیح میں بطور استشهاد روایت کیا ہے ـ امام مسلم نے دونوں طبقوں کی روایات کو باالاستیعاب لیا ہے اور تیسرے طبقه سے بھی کبھی روایت کرتے هیں ـ (۴۰)

۲) امام مسلم رحمه الله :

امام مسلم نے اپنی کتاب (صحیح) کے مقدمه میں احادیث کی تین قسمیں اور راویوں کے تین طبقے قرار دیئے هیں :

(۱) وہ احادیث جو بالکل صحیح هوں اور ان کے رواۃ متقن ، ضابط اور ثقه تسلیم کئے گئے هوں ـ

(۲) وہ احادیث جن کے رواۃ باعتبار ثقاهت اور حفظ و اتقان پہلی قسم کے راویوں سے کم هوں ـ

(۳) وہ احادیث جن کے رواۃ کو عموماً یا اکثر محدثین نے مردود قرار دیا هو ـ

آپؒ فرماتے هیں که قسم اول کے بعد قسم ثانی کو کتاب میں درج کرونگا لیکن تیسرے درجه کی روایات نه لونگا ـ (۴۱)

حافظ ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری اور امام بیہقی اس ضمن میں لکھتے ھیں : امام صاحب کی زندگی نے وفا نہ کی اسلئے دوسرے طبقہ کی روایات کی تخریج کا آپ کو موقع نہ ملا ۔ اسلئے صحیح مسلم میں صرف طبقہ اولی کی روایات ھیں ۔ لیکن قاضی عیاض نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے ۔ کہتے ھیں کہ آپؒ کی کتاب میں دونوں طبقوں کی روایات موجود ھیں ۔ البتہ فرق یہ ہے کہ طبقہ ثانیہ کی روایات متابعت کے طور پر درج ھیں ۔ اسی طرح ان ابواب میں بھی ھیں جن میں طبقہ اولی کی حدیثیں دستیاب نہ ھو سکیں ۔ (۳۲)

حـــوالہ جات

۱ ۔ ابن عبدالبر الاندلسی ، ابو عمر یوسف بن عبداللہ ، جامع بیان العلم وفضلہ ، ص ۶۵ ۔ اردو ترجمہ : عبدالرزاق ملیح آبادی ، لاھور ادارہ اسلامیات ۔

۲ ۔ الکتانی ، محمد بن جعفر ۔ الرسالۃ المستطرفہ ، ص ۴ ، کراچی ، نور محمد اصح المطابع ۔

۳ ۔ ابن الاثیر ، ابو السعادات مبارک بن محمد ۔ مقدمہ جامع الأصول من احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ص ۳۴ ۔ ، بیروت ، لبنان ، دار احیاء التراث العربی ، ۱۹۸۰م

۴ ۔ ایضـــاً ۔

۵ ۔ السخاوی ، شمس الدین محمد بن عبد الرحمن ، فتح المغیث ص ۱۲۲ ، ناشر : احمد نشات ، محمود سکر ، الازھر الشریف ۔

۵ ۔ العراقی ، زین الدین ابی الفضل عبدالرحیم ابن الحسین ۔ التقیید والایضاح ۔ ص ۱۳۷ ، مدینہ منورہ ، المکتبۃ السلفیۃ ۔

۷ ۔ مقدمہ جامع الاصول من احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ، ص ۳۴ ۔

۸ ۔ فتح المغیث ۔ ص ۱۲۱ ۔

۹ ۔ ایضـــاً

۱۰ ۔ مقدمہ جامع الاصول ۔ ص ۳۶ ۔

۱۱ ۔ مسلم ، ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری ، الجامع الصحیح ، باب الایلاء ۔

۱۲ ۔ فتح المغیث ، ص ۱۲۰ .

۱۳ ۔ ایضـــاً

۱۴ ۔ نور الانوار ، ص ۱۷۶ ، ۱۷۷ ۔

۱۵ ۔ شبلی نعمانی ، علامہ ۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، ج ۱ ، ص ۶۴ ، لاھور ، مکتبۃ تعمیر انسانیت ۔

١٦ ـ مقدمه صحيح مسلم ، ج ١ ، ص ١٠ ـ
١٧ ـ مقدمه صحيح مسلم ، ج ١ ، ص ١١
١٨ ـ ايضــاً .
١٩ ـ التقييد ، ص ١٠٢ ـ
٢٠ ـ التقييد والايضاح ـ ص ١١٦ .
٢١ ـ مقدمه جامع الاصول ، ص ٣٨ ـ
٢٢ ـ ايضــاً
٢٣ ـ التقييد والايضاح ، ص ٢٥٧ .
٢٤ ـ سيرة النبى صلى الله عليه وسلم ، ج ١ ، ص ٦٣
٢٥ ـ مقدمه صحيح مسلم ـ ص ١٣،
٢٦ ـ ايضــاً
٢٧ ـ عبدالمعطى امين قلعجى ، الدكتور ـ مقدمه على الضعفاء الكبير لأبى جعفر العقيلى ـ ص ١٦ بيروت ، لبنان ، دار الكتب العلمية ـ
٢٨ ـ ايضــاً .
٢٩ ـ ايضــاً
٣٠ ـ ذهبى ، ابو عبدالله شمس الدين محمد ـ تذكرة الحفاظ ، ج ١ ص ٨ ، لاهور ، اسلامک پبلشنگ هاؤس ـ
٣٠ ـ ابو داؤد ، سليمان بن اشعث بن اسحاق السجستانى ، السنن ـ باب دية الجنين ، ـ
٣١ ـ تذكرة الحفاظ ، ج ١ ـ ص ٨
٣٢ ـ ايضــاً
٣٣ ـ ابن عدى ، ابو احمد عبدالله ، الحافظ ـ الكامل فى ضعفاء الرجال ـ ج ١ ، ص ٣٣ ـ شيخوپوره ، المكتبة الاثرية ـ
٣٤ ـ ابن خلدون ، ولى الدين ابو زيد عبدالرحمن ابن الشيخ الامام ابى عبدالله ـ مقدمه ـ ص ٣٢٨ ، اردو ترجمه : سعد حسن خان يوسفى ، كراچى ، مير محمد كتب خانه مركز علم و ادب ـ
٣٦ ـ تقى الدين ندوى ، مولانا ـ محدثين عظام ، ص ٩٧ ، كراچى ، مجلس نشريات اسلام ـ
٣٧ ـ الميزان الكبرىٰ ـ ج ١ ، ص ٦٢ ، محدثين عظام ، ص ٩٧ ـ
٣٨ ـ ذهبى، ابو عبدالله شمس الدين محمد ـ مناقب ابى حنيفه ، ص ٢٠ ـ
٣٩ ـ ابن عبدالبر الاندلسى ، التمهيد لما فى المؤطا من المعانى والاسانيد ـ ج ١ ـ ص ١١ ، المطبعة الملكية ـ الرباط ـ
٣٠ ـ السيوطى ، جلال الدين عبدالرحمن بن ابى بكر ـ تدريب الراوى ، ص ٣١ ، كراچى ، مير محمد كتب خانه ـ
٣١ ـ مقدمه صحيح مسلم ـ ص ١٥ ـ
٣٢ ـ العثمانى ، شبير احمد ، مولانا ـ مقدمه فتح الملهم شرح صحيح مسلم ص ٥٧ ، كراچى ـ مكتبه رشيديه ـ